

بسم الله الرحمن الرحيم

(283) تفسیر سورة البقرة

جلیل القدر عالم دین اور فقیہ شیخ عطاء بن خلیل ابوالرستم کی کتاب "التیسیر فی *
* اصول التفسیر" سے اقتباس

(ترجمہ)

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَيْنِ مَقْبُوضَةً فَإِنْ مِنْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فَلَئُوذُ الَّذِي
أَوْثَمِنَ أَمْنُهُ وَلَيَتَّقِ اللَّهَ رَبُّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِيْمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾

اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا مل نہ سکے تو (کوئی چیز) رہن یا گروی رکھ لو قبضہ میں دی ہوئی، اور اگر تم کو ایک دوسرے پر اطمینان ہو (یعنی رہن کے بغیر قرض دیدے) تو امانتدار کو چاہیئے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیئے۔ اور گواہی کو مت چھپاؤ۔ اور جو اسے چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ (البقرة؛ 2:283)

اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ یہ واضح فرما رہے ہیں کہ اگر قرض کا لین دین کرنے والے لوگ حالت سفر میں ہوں اور سفر کے دوران کوئی ایسا شخص نہ پائیں جو ان کے قرض کو لکھ سکے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا متبادل یہ رکھا کہ قرض دینے والا قرض لینے والے سے کسی چیز کو بطور رہن (گروی) اپنے قبضے میں لے، تاکہ قرض کی ضمانت حاصل ہو سکے۔ اگر وہ (قرض کا لین دین کرنے والے) ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہوں تو پھر کسی (قرض کو) لکھنے والے، گواہ یا رہن (گروی) کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس صورت میں قرض لینے والے پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کے بارے میں، جس نے اس پر بھروسہ کیا ہے، اللہ سے ڈرے، اور دیانت داری سے اس کا حق واپس کرے۔ اسے چاہیئے کہ قرض دینے والے کو بار بار تقاضا کرنے پر مجبور نہ کرے، بلکہ اس کے احسان کو یاد رکھے اور خوش دلی و احسان مندی کے ساتھ اس کا حق واپس کرے۔

پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ انہیں گواہی نہ چھپانے کی تاکید فرماتے ہیں، کیونکہ یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ یہ واضح فرما دیتے ہیں کہ وہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے، اور اگر تم گواہی کو چھپاؤ تو بھی اللہ سے کچھ چھپ نہیں سکتا، کیونکہ وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ زمین و آسمان میں ایک ذرے کے برابر شے بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ "اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔" وہ تمہیں تمہارے ہر عمل کا بدلہ دے گا؛ اگر تم نیکی کرو گے تو نیکی کا اجر دے گا، اور اگر برائی کرو گے تو برائی کا بدلہ ملے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾ "اور اگر تم (دونوں) سفر میں ہو" یعنی اگر تم مسافر ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَرِهَيْنِ﴾ "رہن (گروی رکھی ہوئی چیزیں)" لفظ (رہان) "رہن" دراصل رَهْن (گروی) کی جمع ہے، اور یہ لفظ اصل میں مصدر (اسم مصدر) ہے، پھر اسے اسم مفعول (مفعولی معنی میں) پر محمول کرتے ہوئے گروی رکھی جانے والی چیزوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَقْبُوضَةً﴾ "قبضے میں دی گئی" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رہن (گروی چیز) کو قرض دینے والے کے قبضے میں دے دیا جائے تاکہ وہ اسے بطور ضمانت رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَيْنِ مَقْبُوضَةً﴾ "اور اگر تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن (گروی) رکھ لو"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے دوران جب کوئی کاتب میسر نہ ہو تو قرض کے اندراج کے بدلے میں گروی رکھنا متبادل کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے ایسی صورتحال میں شرعی حکم، رہن (گروی رکھنا) مندوب ہے، بالکل اسی طرح جیسے قرض لکھوانے کا حکم ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے: اگر سفر کے دوران قرض کو لکھنا مندوب ہے اور رہن رکھنا بھی مندوب ہے، تو کیا ایسی صورت میں جب سفر کے دوران کوئی کاتب (لکھنے والا) موجود ہو، تو کیا رہن رکھنا جائز ہے؟ یعنی کیا کاتب کے موجود ہونے کے باوجود سفر میں رہن رکھنا درست ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں رہن (گروی رکھنے) کا حکم اباحت (یعنی صرف جائز ہونا) ہے، نہ کہ مندوب ہونا۔

: اس کی دلیل یہ ہے

(الف) مقیم حالت (حضر) میں: اگر ادھار پر خرید و فروخت کا لین دین کرنے والے دونوں فریق اس قرض کو لکھوانا نہ چاہیں جیسا کہ آیت مبارکہ میں قرض کا لین دین کرنے والوں کے لئے طریقہ بیان کیا گیا ہے، تو ان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ آپس میں جو بھی

شرط رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ شرط شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔ لہذا اگر کوئی شخص ادھار پر مال بیچتا ہے، تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ خریدار سے کسی ضمانت کے ذریعے اپنا حق محفوظ کرے، تاکہ اسے ادائیگی کے بارے میں اطمینان ہو۔ اس کے لیے وہ خریدار سے کوئی شے رہن رکھ سکتا ہے یا ضامن طلب کر سکتا ہے ... اور یہ سب کچھ جائز ہے۔ کیونکہ شریعت میں عقود میں رکھی جانے والی تمام شرائط مباح ہیں، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال چیز کو حرام یا کسی حرام چیز کو حلال قرار دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ، إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا» "مسلمان اپنی شرطوں پر پابند ہیں، سوائے اُس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کر دے"۔ (سنن ترمذی)

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ یہ اصول ان شرائط پر لاگو ہوتا ہے جو مسلمان آپس میں اپنے معاملات اور (لین دین کے) معاہدوں میں رکھتے ہیں۔ یعنی مسلمان اپنے عقود میں جو چاہیں شرائط رکھ سکتے ہیں، سوائے ایسی شرط کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دے دے۔

:(ب) حالت سفر میں: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَيْ مَقْبُوضَةٍ﴾

اور اگر تم سفر پر ہو اور (قرض کو) کوئی لکھنے والا مل نہ سکے تو (کوئی شے) رہن یا "قبضہ میں (گروی) رکھ لو"۔ (سورة البقرہ: 283)

سفر میں لکھنے والے کا نہ ملنا ایک عام بات ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ حالت سفر میں پڑھے لکھے لوگوں کی کمی کے باعث انہیں کوئی کاتب نہ مل سکے۔ اسی بنیاد پر "مفہوم المخالفة للقيّد (الوصف)" یعنی "صفت کے مقید ہونے کا مفہوم مخالفہ" لاگو ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا﴾ "اور اگر تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے..."، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ رہن رکھنا جائز ہے، خواہ (قرض) لکھا جائے یا نہ لکھا جائے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شرعی حکم کی صورت مختلف ہو جاتی ہے: اگر سفر میں کاتب دستیاب نہ ہو، تو رہن رکھنا (قرض کو) لکھنے کی جگہ لے لیتا ہے، اور ایسی صورت میں رہن رکھ لینا مندوب ہے۔ اور اگر حالت سفر میں کاتب دستیاب ہو، تو رہن رکھ لینا مباح ہے۔

یہ تمام حکم اُن دیگر معاملات کے بارے میں ہے جو ادھار پر لین دین میں رہا (سود) کے علاوہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایسی صورت میں رہن رکھنے کا حکم، خواہ مقیم حالت ہو یا حالت سفر ہو، تو یہ ایک شرعی حکم ہے۔ یعنی، خرید و فروخت میں ادھار پر اشیاء کو بیچنے کے معاملے میں رہن رکھ لینا واجب ہے، جیسے گیہوں، جو، کھجور یا نمک وغیرہ کو ادھار پر لینا۔ اس کی دلیل یہ ہے

رسول اللہ ﷺ سے صحیح روایت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے سودی اشیاء کی بیع کو منع فرمایا، سوائے یہ کہ بیع باتھوں باتھ (یعنی نقد) کی صورت میں ہو۔ مسلم نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الدَّهْبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلِ سَوَاءٍ بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَيَبَّعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» "سودے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گیہوں کے بدلے گیہوں، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے بدلے نمک، برابر کے برابر، مساوی مقدار میں، باتھوں باتھ۔ اور اگر یہ اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچو، بشرطیکہ وہ باتھوں باتھ (یعنی نقد) ہو" (صحیح مسلم)۔ پر نہ ہو۔ یعنی ادھار

یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی چیز ادھار پر خریدی جو سودی اشیاء کے زمرے میں سے ہے، یعنی جو، لیکن آپ ﷺ نے فروخت کرنے والے کے پاس بطور رہن اپنی زرہ رکھ دی۔ صحیح بخاری میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِي طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ وَرَهْنَهُ دَرْعًا لَهُ مِنْ حَدِيدٍ» "رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کھانے کا سامان ادھار خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھی" (بخاری)۔ سنن النسائی میں ایک اور روایت میں ابن عباسؓ سے مروی حدیث میں ہے: «تَوَفَّي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَدَرْعَهُ مَرْهُونَةً عِنْدَ يَهُودِيٍّ بَثْلَاتَيْنِ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ لِأَهْلِهِ» "رسول اللہ ﷺ کا وصال اس حالت میں ہوا کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض رہن تھی، جو آپ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے لئے (ادھار) لیا تھا"۔ (النسائی: 4572، بخاری: 2759، 4197، 262/احمد: 236/1، 361، ابن حبان: 13)

ان دونوں احادیث میں تطبیق یوں دی جاتی ہے کہ پہلی حدیث میں ادھار پر اجناس کی فروخت کی ممانعت آئی ہے، اور دوسری حدیث میں ادھار کے ساتھ رہن رکھنے کی اجازت وارد ہوئی ہے، اور چونکہ کوئی دلیل موجود نہیں کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا، لہذا

ان دونوں احادیث کو جمع کرنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اجناس کو ادھار فروخت کے وقت رہن لینا واجب ہے تاکہ معاملہ شرعاً درست ہو۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ ”اور اگر تم کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہو“ کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ قرض دینے والے کو اپنے قرض لینے والے پر، سفر کے دوران یا مقیم حالت (حضر) میں بھروسہ ہو، یعنی وہ قرض دار کی امانت، دیانت اور ادائیگی میں تاخیر نہ کرنے پر بھروسہ رکھتے ہوں یعنی قرض دینے والے کو قرضدار پر اعتماد ہو، تو ایسی صورت میں قرض کو لکھنے، گواہوں یا رہن کے ذریعے محفوظ نہ کرنا بھی ممکن ہے۔ یہ صورت جائز ہے، جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے یعنی اگر قرض دینے والے چاہے تو اسے تحریر میں لا سکتا ہے، اور اگر نہ چاہے تو نہ لائے۔ اور اس ارشاد ﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ ”اور اگر تم کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہو“ کا تعلق صرف سفر یا رہن (گروی رکھنے) کی حالت سے خاص نہیں ہے۔ اسے اس آیت میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ آیت کا آغاز سفر کے بیان سے ہوا تھا، اور اس کا مفہوم، اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَرَقَلْنِي مَقْبُوضَةً﴾ ”تو پھر رہن (گروی) رکھ لو“ کے ذکر سے مکمل ہوتا ہے۔ یہ بعد کا بیان دراصل پہلے بیان کردہ قرض کے احکام یعنی تحریر، گواہ اور رہن کی تکمیل کے طور پر آیا ہے، خواہ وہ مقیم حالت (حضر) میں ہوں یا سفر کے دوران۔ یہ اس بات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ ”اور گواہی کو مت چھپاؤ“۔ اس آیت میں گواہی کا ذکر سفر میں رہن (گروی رکھنے) کے ضمن میں نہیں آیا، بلکہ یہ اس گواہی کی طرف اشارہ ہے جو گزشتہ آیت میں مقیم حالت میں قرض لکھنے کے وقت ذکر کی گئی تھی۔ لیکن چونکہ اس آیت کا آغاز اس جملے سے ہوا ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ﴾ ”اور اگر تم حالت سفر میں ہو“۔ اس لیے قرینہ یہ بتاتا ہے کہ ﴿فَرَقَلْنِي مَقْبُوضَةً﴾ ”تو پھر رہن (گروی) رکھ لو“ کے بعد آنے والا حصہ قرض سے متعلق گزشتہ احکام پر ہی دلالت کرتا ہے، خواہ وہ سفر میں ہوں یا اقامت کی حالت میں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قرض دینے والے کو قرض لینے والے کی امانت داری پر اطمینان ہو، اور وہ اس پر اعتماد کرے کہ وہ ادا کرنے میں تاخیر نہیں کرے گا، تو ایسے میں قرض کے دستاویزی ذرائع (جیسے تحریر، گواہ یا رہن) کو ترک کرنا جائز ہے، خواہ حالت سفر ہو یا مقیم حالت ہو۔ یعنی جس حالت میں ہم نے پہلے وضاحت کی تھی کہ دستاویزات تیار کرنا مندوب ہے، تو اس نئی حالت میں وہ مباح ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ ”اور اگر تم کو ایک دوسرے پر بھروسہ ہو“ سے ظاہر ہے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿فَلْيُؤَدِّ الْأَذَىٰ أَوْثَمَنَ أَمَلَتْهُ﴾ ”تو امانتدار کو چاہیئے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے“ کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرضدار کو چاہیئے کہ وہ قرض خواہ کا قرض ادا کرے۔ اس حالت میں قرض کو امانت کہا گیا ہے، کیونکہ اس پر تحریر یا گواہی لازم نہیں کی گئی، بلکہ وہ اعتماد اور دیانت کی بنیاد پر قائم ہے۔

یہاں جو طلب شرعی ہے، وہ فرضیت کے معنی میں ہے، یعنی قرض کی ادائیگی شرعاً واجب ہے۔ اس پر قرینہ لفظ ﴿أَمَلَتْهُ﴾ ”اس کی امانت“ سے لاگو ہوتا ہے۔ امانت کو پورا کرنا شرعی فریضہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ» ”جس میں امانت داری نہیں، اس کا ایمان نہیں“ (احمد: 154/3، 210)۔ اور دیگر احادیث میں بھی امانت کا ذکر آیا ہے، جو کہ وصف معلوم ہے، اور امانت کو پورا کرنا شرعی طور پر واجب ہے۔ جب ایمان کو دین میں امانت سے جوڑا گیا، اور امانت کی ادائیگی کو طلب (یعنی حکم) کا موضوع بنایا گیا، تو یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ ﴿فَلْيُؤَدِّ﴾ ”پس اسے ادا کرنا چاہیئے“ میں جو حکم دیا گیا ہے، وہ طلب جازم ہے (یعنی فرض حکم ہے)۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان، ﴿وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ﴾ ”اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیئے“، کا تعلق ہے، تو یہ تنبیہ ہے، یعنی اسے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ حق سے انکار نہ کرے یا اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ ”اور گواہی کو مت چھپاؤ“ کا تعلق ہے تو یہ ایک عمومی خطاب ہے، جو گواہوں، قرض خواہ اور قرض دارتینوں کو مخاطب کرتا ہے۔ یعنی انہیں نہ گواہی کو چھپانا چاہیئے، نہ اس میں تحریف کرنی چاہیئے، اور نہ اس کے درست مفہوم سے روکنا چاہیئے۔ یہاں پر جو شرعی نہی (ممانعت) آئی ہے، وہ تحریم جازم (قطع حرم) پر دلالت کرتی ہے، یعنی یہ عمل حرام ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ﴾ ”اور جو اسے چھپاتا ہے، تو یقیناً اس کا دل گناہگار ہے“۔

اور اللہ تعالیٰ نے ﴿قَلْبُهُ﴾ ”اس کا دل“ کا ذکر ﴿إِثْمٌ﴾ ”گناہ گار“ کے بعد اس لیے کیا ہے تاکہ اس گناہ کی سنگینی کو واضح کیا جائے۔ کسی اعضاء کا ذکر اس کے عمل کے بعد لانا، دلیل اور تاکید کے اعتبار سے زیادہ مؤثر اور طاقتور ہوتا ہے۔ جیسے کہا جائے: (هذا

ما أبصرتہ عینی) ”یہ وہ ہے جو میری آنکھوں نے دیکھا“، تو یہ (هذا ما أبصرتہ) ”یہ وہ ہے جو میں نے دیکھا“ سے زیادہ موثر اور فصیح ہے۔ اسی طرح، (هذا ما سمعته أذناي) ”یہ وہ ہے جو میرے کانوں نے سنا“، یہ (هذا ما سمعته) ”یہ وہ ہے جو میں نے سنا“ سے زیادہ زور دار اور بامعنی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ﴾ ”اور گواہی کو مت چھپاؤ، اور جو اسے چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہے“، تو یہ تعبیر اس سے کہیں زیادہ قوی ہے کہ صرف یوں کہا جائے: (ومن يكتُمها فإنه آثم) ”اور جو اسے چھپاتا ہے، وہ گناہ گار ہے“۔ دل کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ گناہ دل کی گہرائیوں سے متعلق ہے، یعنی یہ محض ایک ظاہری جرم نہیں بلکہ باطنی خیانت ہے، جو ایمان کے مرکز (دل) کو متاثر کرتی ہے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے“ کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو جانتا ہے، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اللہ کے علم سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ اللہ رب العزت، تمہارے اعمال سے واقف ہے اور انہی کے مطابق تمہیں جزا یا سزا دیتا ہے، خواہ وہ نیک عمل ہوں یا برے۔